Vol.5No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ڈاکٹر شاہد صدیقی کی کالم نگاری کا تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر سائرہ بتول
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

ABSTRACT

The literary genres column, fiction and essay are markedly independent and different form one another in content, style, treatment and subject etc. However, there are few distinguished Urdu writers in whose writings it is nearly impossible to draw a clear distinction between these categories. Dr. Shahid Siddiqui, who for quite long have been an English columnist, is one of such stalwarts who within few years have shot to fame and as such has been widely acknowledged in both literary and journalistic circles for his Urdu columns in the daily "Dunya News" and which have now been compiled in his two books "زیرِ آسمان" and "موسمِ خوش رنگ". What distinguishes his columns from those of his contemporaries is his unique literary blend, descriptive style, frictional treatment of subjects and characters, spontaneity, poetical richness, and essay-oriented research-cum-documentary contents etc. Prof. Fateh Muhammad Malik has befittingly suggested that his columns cannot simply be taken as journalistic write-ups, rather they deserve to be acknowledged as literary and scientific master pieces. This essay is an attempt to critically study numerous aspects of Dr. Shahid Siddiqui's columns in light of genre, treatment of subject, literary, journalist and fictional aspects.

ڈاکٹر شاہد صدیقی ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ ناول نگار اور کالم نویس بھی ہیں۔اُنھوں نے ادبی دنیا میں قدم اپنے ناول "آدھے ادھورے خواب" کی اشاعت سے رکھا۔وہ چوں کہ بنیادی طور پر انگریزی کے استاد ہیں اسی لیے اُنھوں نے بہت عرصے تک صرف انگریزی اخبارات میں کالم لکھنے پر اکتفا کیا مگر پھر انھیں احساس ہوا کہ انگریزی تک ملک کے ایک بڑے طبقے کی رسائی نہیں ہے اور نہ ہی انگریزی اخبارات کو وہ پذیرائی حاصل ہے جو اُردو اخبارات کو عوام میں ہے اس لیے اُنھوں نے اُردو میں کالم نگاری شروع کر دی۔ اپنی اُردو کالم نگاری کے آغاز کے بارے میں وہ اپنے کالموں پر مشتمل پہلی کتاب "زیرِ آسمان" کے "حرفِ سپاس" میں بتاتے ہیں کہ وہ اردو میں کالم لکھنا چاہتے تھے مگر اُنھیں خدشہ تھا کہ اردو کے بڑے کالم نگاروں کی موجودگی میں اپنا مقام بنا پائیں گے کہ نہیں اور اسی کشمکش میں ان کی ملاقات کسی تقریب میں میاں عامر محمود سے ہو گئی جنھوں نے اُنھیں نہ صرف یہ کہ اُردو کالم لکھنے کے لیے مجبور کر دیا بل کہ حتمی انداز میں اگلے ہفتے اُنھیں کالم بھجوانے کے لیے بھی کہہ دیا اور یوں "دنیا نیوز" کے توسط سے شاہد صدیقی کی اُردو کالم نگاری کا آغاز ہو گیا۔(1)

شاہد صدیقی نے پہلا کالم اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں لکھا اور شاید یہ والدہ محترمہ کی یادوں کو بطور موضوع انتخاب کرنے کی برکت تھی، کیوں کہ ماں وہ پہلی ہستی ہے جو اس دنیا میں انسان کی سب سے بڑی محسن ہے اور ھل جزاء الاحسان الا احسان کے مطابق محسن کے احسان کا تذکرہ بھی خدا کو پسند ہے،اس لیے ان کے کالم کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کے کالم دنیا نیوز میں مسلسل شائع ہونے لگے۔کالم نگاری کا یہ سلسلہ "زیرِ آسمان" کے عنوان سے شروع ہوا۔ بعد میں اُنھوں نے ان کالموں کو "زیرِ آسمان" ہی کے عنوان سے ایک کتاب میں جمع کر دیا جو 2020 مئی میں شائع ہوئی۔۔یہ کالموں پر مشتمل ان کی پہلی کتاب ہے۔اس کے بعد دوسری کتاب "موسمِ

Vol.5No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

خوش رنگ" کے عنوان سے 2021 مئی میں شائع ہوئی۔ کالموں پر مشتمل ان کی یہ دو کتب اب تک منظر عام پر آ کر خاص و عام میں پذیرائی حاصل کر چکی ہیں اور اب شاہد صدیقی اُردو کالم نگاروں میں اپنی منفرد پہچان رکھتے ہیں۔

کالم نگاری پر گفتگو سے پہلے اس بات کا تعین بھی ضروری ہے کہ کالم کیا ہے۔ اس کا ادب سے کیا تعلق ہے اور اس پر گفتگو کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ کیوں کہ عام طور پر تو کالم کا لفظ سامنے آتے ہی ہمارے سامنے روز مرہ کے سیاسی حالات پر تبصرے اور جائزے پر مشتمل ایک اخباری تحریر کا نقشہ پھر جاتا ہے جسے اخبار کے بہت سے قاری بھی در خور اعتنا نہیں سمجھتے۔ اس لفظ کالم کی وضاحت کے لیے ہم سب سے پہلے لغات کی طرف توجہ مرکوز کرتے ہیں اس کے بعد اُردو کی ادبی اصطلاحات کی طرف رجوع کر کے کالم کی ہیئت اور معنویت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے گی۔ کالم (Column) دراصل انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق تعمیرات، ستون، تھم، اکثر اوپر سے قدرے پتلا، ستون کی طرح کی تعمیر یا شکل، دھویں پانی یا بھاپ وغیرہ کی لاٹ، جدول یا صفحے کی عمودی تقسیم جس میں اعداد وغیرہ اوپر تلے درج ہوں، دو اعداد یا اندراجات، اخبار کا وہ حصہ جو کسی خاص موضوع کے لیے مختص ہو وغیرہ دیے گئے ہیں۔(2) جب کہ نور اللغات میں صفحے کا حصہ، فوج کا دستہ (3) پر اکتفا کیا گیا ہے۔ تاریخی اصولوں پر لکھی گئی لغت میں اس لفظ کی وضاحت میں، ہر وہ چیز جو ستون کی شکل رکھتی ہو، اخبار یا کتاب کے صفحے کی عمودی اور افقی تقسیم، جتنے حصے بنائے جائیں ان میں سے ہر ایک خانہ، اخبار یا رسالے کا کسی خاص مستقل عنوان کے تحت لکھا جانے والا سلسلہ مضمون وغیرہ درج ہیں۔ مذکور معانی و مفاہیم کی رو سے صحافت کے سلسلے میں استعمال ہونے والی اس اصطلاح کے متعلق ہمیں جو معلومات حاصل ہوتی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ اخبار کے صفحے کا وہ عمودی یا اُفقی حصہ ہے جو کسی خاص مضمون کے لیے مختص ہو۔ ادبی اصطلاحات کی لغات میں اس لفظ کو عمومی طور پر قابل وضاحت نہیں گردانا گیا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس صنف کو بالعموم صحافت ہی کے ذیل میں رکھا جاتا ہے اور ادب کی کوئی صنف شمار نہیں کیا جاتا۔

صحافت سے متعلق کتب میں بھی صرف اسی طرح کی سرسری وضاحت دیکھنے کو ملتی ہے کہ: "بعض کالم تو واقعی صحافتی مقاصد پورے کرتے ہیں مگر ایسے فکاہیہ کالموں کی بھی کمی نہیں ہے جنھیں ادب قرار دیا جاتا ہے، ایسے کالم جو مستقل اہمیت کے حامل ہوں اور ان میں وہ خصوصیات ہوں جو ادب کی خصوصیات ہیں تو ایسے کالموں کے لیے صحافیانہ ادب کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔"(4) اب یہ صحافیانہ ادب ایک اور نئی چیز سامنے آتی ہے۔ صحافت اور ادب دو الگ چیزیں ہیں، صحافت کی سرحدیں کب ادب سے مل جاتی ہیں اور ایک صحافیانہ ادب پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی بحث طلب ہے ورنہ سیدھی سی بات ہے صحافت صحافت ہی ہے اور ادب ادب ہے۔ جو روز مرہ حالات، سیاسی مسائل سے متعلق خبریں وغیرہ ہوں انھیں اصطلاحی طور پر صحافت کہنا چاہیے چاہے ادبی مجلے میں چھپیں اور جن تحریروں میں ادب کی خصوصیات ہوں انھیں ادب کے ذیل میں رکھنا چاہیے خواہ وہ کسی روزنامہ اخبار میں شائع ہوں۔ مثال کے طور پر انجمن ترقی اردو کے مشہور ادبی مجلے "قومی زبان" میں "گرد و پیش" کے عنوان سے جو اطلاعات، خبریں وغیرہ شائع ہوں گی خواہ وہ کسی ادبی محفل، کتاب کی تقریب رونمائی سے متعلق ہی کیوں نہ ہوں وہ صحافت ہوں گی اور کسی دیوان یا ناول پر تاثراتی، تجزیاتی، تنقیدی تحریر کو ادب ہی کے زمرے میں رکھنا ہو گا خواہ وہ روزنامہ جنگ ہی میں کیوں نہ شائع ہو۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اخبار یا ادبی مجلے میں شائع ہونے سے کوئی تحریر ادب یا صحافت نہیں بن سکتی۔ اس میں ان اصناف کی خصوصیات کا ہونا لازمی ہے۔ یہی معاملہ ہیئت کا بھی ہے۔ کوئی تحریر افقی یا عمودی کالموں کی صورت میں لکھی جائے، اسے عنوان بھی دے دیا جائے تب بھی ظاہری ہیئت کی بنیاد پر اسے ادب اور صحافت میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے کہ اکثر ادبی مجلوں میں بھی تحریریں کالموں کی صورت میں شائع ہوتی ہیں۔ ادارہ فروغ اردو کا مشہور مجلہ اخبار اردو جس کے عنوان میں بھی لفظ "اخبار" شامل ہے کالموں کی صورت میں تحریریں شائع کرتا ہے۔ تو کیا جنوری 2022 مئی کے مجلے میں شائع ہونے والے مضمون "تنقیداتِ عسکری کی فکری جہات" ادب شمار ہو گا یا صحافت اور اسی طرح مضامین "قائد اعظم اور اُردو" یا "اُردو انگریزی" کو ادب شمار کیا جا سکتا ہے؟

اب آیئے اخبارات میں شائع ہونے والے کالموں کی طرف تو اُنھیں موضوعات اور اسلوب کے اعتبار سے واضح طور پر ادبی اور صحافتی میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جو کالم سیاست، حالاتِ حاضرہ، یعنی اطلاعات پر مبنی ہوں اور عام بول چال کی روایتی زبان میں لکھے جائیں وہ صحافت شمار کیے جانے چاہیں۔ البتہ ان میں بھی بعض فکاہیہ انداز اور اسلوب کی بنا پر ادب بن جاتے ہیں۔ کیوں کہ ادب کی سب سے بڑی خصوصیت ہی اس کا ہنگامی اور وقتی موضوعات پر مشتمل نہ ہونا، کلاسیک

Vol.5No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہونا(کلاسیک سے یہاں مراد ہے جو ہر دور میں شوق سے پڑھا جاسکے) مسرت فراہم کرنا اور کتھارسس ہے۔جو کالم ایک خاص اسلوب میں مسرت فراہم کرنے کے لیے ، کتھارسس کے لیے لکھے جائیں وہ یقیناً ادب کے ذیل میں آنے چاہییں۔خواہ وہ کسی سفر کی روداد پر ہوں، کسی دلی کیفیت کی کے اظہار کے لیے، خاکے پر مشتمل ہوں یا یادِ رفتگاں کے لیے، کسی شعر و ادب کی کتاب پر تاثرات پر مبنی ہوں یا کسی شاعر، ادیب کی سوانح سے متعلق غرض کہ کالم ہر قسم کے ادبی موضوعات کا احاطہ کر سکتا ہے۔حتا کہ یہ انشائیہ بھی ہو سکتا ہے۔اس لیے اسے صحافتی ادب کی بجائے صرف ادب اور صنفی تفریق کے لیے ادبی کالم کہ دینا مناسب ہو گا۔

اب درج بالا تمہید کے بعد شاہد صدیقی کے کالموں پر نظر ڈالی جائے تو وہ فطری طور پر ایک ادیب نظر آتے ہیں۔فتح محمد ملک نے "زیرِ آسمان" کے دیباچے میں درست لکھا ہے کہ:"یہ صحافتی تحریریں ہر گز نہیں، یہ علمی و ادبی مضامین ہیں، ہنگامی اور وقتی موضوعات پر خیال آرائی نہیں۔"(5)ان کے کالموں کے عنوانات بھی ادب کی ایک خاص چاشنی لیے ہوئے ہیں جو ان کے اسلوب کی بھی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں، جیسے کہ بھنور، تلاش کا سفر، بنگال دسمبر اور میں، مینا کماری، سرراہ چلتے چلتے، ایلان مسک کے خواب، ماں میں سانس نہیں لے سکتا، گلابی نمک اور وقت کا دریا، سکینہ، ماسٹر فضل کا خواب، آج تم بے حساب یاد آئے۔کٹاس راج اور آنسوؤں کا سیلاب، قونیہ: رومی اور شمس کا شہرِ محبت، توپ مانکیالہ، وعدہ، ایک او جھل بے کلی رہنے دو، اک دور تھا عجب کہ مرے ساتھ تم بھی تھے، زندگی کی بساط، چراغِ بدر، اپنا ٹائم آئے گا۔کشمیر: ہرنیوں نے چوکڑی بھرنی تو ہے، یہ چند عنوانات "زیرِ آسماں" اور "موسمِ خوش رنگ" سے لیے گئے ہیں۔ان کے کالموں کے عنوانات یک لفظی بھی ہیں، مرکب بھی، مفصل بھی، کوئی اشعار کے مصرعے پر مشتمل ہے کوئی سوالیہ ہے۔ان میں سے بعض عنوانات شاعری کی کتاب کے لگتے ہیں اور بعض افسانوں ناولوں کے، موضوعات کی بوقلمونی کے علاوہ صرف عنوانات ہی قاری کی خاص ادبی حس کو متحرک کر کے کالم پڑھنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ شاہد صدیقی عنوان سازی کے راز سے خاص طور پر واقف ہیں۔اسی لیے ان کے کالموں کے عنوانات ہی اپنی لطافت آمیز آہنگ میں یہ اعلان کرتے نظر آتے ہیں کہ ہم صحافت نہیں ادب ہیں۔

موضوعات کی رنگارنگی کے باوجود اُن کے بہت سے کالموں کو ایک خاص قسم کی موضوعاتی ترتیب بھی دی جاسکتی ہے۔اُنھوں نے زیرِ نظر دونوں کتب کی تالیف میں اس بات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اپنے کالموں کو جلی عنوان کے تحت مختلف حصوں میں منقسم کیا ہے اور اس میں بھی ایک تکنیک نظر آتی ہے۔مثال کے طور پر "زیرِ آسمان" کے پہلے حصے میں "میرے آس پاس" کے تحت جو کالم آتے ہیں اُن میں عزیز اقارب اور بچپن کی یادوں کی بازیافت ہے جن میں اُن کی والدہ، والد، بھائی گاؤں اور گاؤں کے لوگ وغیرہ شامل ہیں۔"آگہی کا سفر" میں تعلیمی اور تدریسی زندگی کا ذکر ہے، "قدیم بستیوں کا سفر" میں مختلف مقامات کی سیر کا احوال ہے اور اختصار کے ساتھ انشائی انداز میں معلومات فراہم کی گئی ہیں، وغیرہ وغیرہ اسی طرح "موسمِ خوش رنگ" میں بھی عنوانات کی موضوعاتی تفریق کے اعتبار سے حصے ترتیب دیے گئے ہیں، جیسا کہ تاریخ کا سفر میں کے تحت مختلف مقامات کی تاریخ کی پردہ کشائی تاثراتی انداز میں کی گئی ہے۔"راول پنڈی کی کہکشاں" کے تحت راول پنڈی کے مختلف مقامات اور شخصیات سے متعلق یادداشتیں ہیں، "فلم، آرٹ" کے تحت فلم و فن کی مختلف شخصیات پر تاثراتی تحریریں ہیں غرض کہ دونوں کتابوں کو موضوعات کے اعتبار سے بالائی اور ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے۔اس کے باوجود کہیں یکسانیت کا احساس نہیں ہے۔اگر کالم کسی شخصیت سے متعلق ہے تو اس شخصیت سے متعلق تاثرات و جذبات دوسری شخصیت سے بالکل جدا ہیں اور ان کو بیان کرنے کا اسلوب بھی بالکل الگ ہے۔مثال کے طور پر "آج بے طرح تیری یاد آئی" سے ایک اقتباس دیکھیے۔یہ کالم ان کا پہلا کالم ہے جو ان کی والدہ محترمہ سے متعلق ہے:

> "ایک طویل مشقت بھری زندگی سے اب وہ تھک سی گئی تھیں اور یہ بات ان دنوں کی ہے جب بیماری نے انھیں بستر سے لگا دیا تھا۔ان کا وزن بہت کم ہو گیا تھا۔ایک بار پہلو بدلوانے کے لیے میں نے اُنھیں دونوں ہاتھوں میں اٹھایا تو یوں لگا جیسے میرے ہاتھوں میں ایک سبک پھول ہو۔میں اُن کے بستر پر بیٹھ گیا اور اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔کچھ دیر بعد خالی نظروں سے چھت کو دیکھتی رہیں، پھر مدھم آواز میں بولیں، ایک بات پوچھوں؟ میں نے کہا ضرور پوچھیں۔وہ نحیف آواز میں بولیں، کیا مرنے کے بعد میں جنت میں جاؤں گی۔؟"(6)

Vol.5No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

درج بالا سطور میں ماں کے لیے جذبات کی لطافت محبت کی انتہا اور ایک شفقت کا احساس ایسے بیٹے کی ترجمانی کر رہا ہے جو اپنے وجود میں نرم آغوش کی گرمی محسوس کر رہا ہے۔ماں سے متعلق اس تحریر میں ایک ایک سب رو جھیل کا سا نرم بہاؤ نظر آتا ہے جو ہولے ہولے قاری کو اپنے کالم نگار کے جذبات میں رنگ دیتا ہے۔اب ایک اقتباس "آج تم بے حساب یاد آئے" سے دیکھتے چلیے۔یہ کالم ان کے والد صاحب سے متعلق ہے:

> "اُن کے ساتھ ہماری بے تکلفی تھی۔اُن کے سمجھانے کا انداز جدا تھا۔کبھی سختی نہ کرتے ،یوں ان کے حصے کا کام بھی والدہ کو کرنا پڑتا۔اس وقت ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ چلے جائیں گے تو ہماری زندگیوں میں کتنا خلا آجائے گا۔خلیل جبران نے سچ کہا ہے کہ محبت کی گہرائی کا اندازہ جدائی کے بعد ہوتا ہے۔"(7)

اس اقتباس میں جو والد صاحب سے متعلق ہے اگرچہ محبت کی گرمی موجود ہے مگر وہ وفور جذبات نہیں ہیں جو ماں کے لیے فطری طور پر امڈ کر آتے ہیں۔اس اقتباس کو بطور خاص یہاں اس وجہ سے بھی دیا گیا ہے کہ اس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کالم نگار کو اپنے جذبات کے اظہار کے لیے دوسروں کے الفاظ کا سہارا لینا پڑا ہے۔خلیل جبران کے علاوہ بھی انھوں نے اپنے جذبات کی ترجمانی کے لیے منیر نیازی کی نظم اور ڈزنی پکچرز کی فلم کا سہارا لیا ہے۔جب کہ ماں کے لیے اُن کے جذبات اُن کے دل سے نتھرے ہوئے نکلتے ہیں۔اس میں ماں باپ کی محبت کی تفریق نہیں بل کہ اولاد پر والدین کی شخصیت کے مختلف اثرات کا پرتو نظر آتا ہے۔ماں جتنی بھی سخت ہو فطری طور پر اُس کی محبت میں باپ کی محبت کی نسبت خاصی لطافت ہوتی ہے۔دونوں کالموں کو مکمل پڑھنے کے بعد قاری پر جو تاثر پڑتا ہے وہ بھی مختلف ہے۔آج تم بے حساب یاد آئے کو پڑھ کر دل مغموم ہوتا ہے لیکن آج بے طرح تیری یاد آئی پڑھتے ہوئے حساس آنکھیں چھلک بھی جاتی ہیں۔ایک فرق عنوان میں شامل "بے طرح" اور بے حساب" میں بھی ہے۔بے حساب شمار کی ایک سیدھی سادی اصطلاح ہے جب کہ بے طرح میں، بے اختیاری اور کثیر الجہتی موجود ہے۔یعنی بے حساب بہت زیادہ اور بے طرح کئی طریقوں سے جس میں پہلو تہی کی گنجائش موجود نہ ہو۔میں یہ نہیں کہتی کہ شاہد صدیقی نے عنوانات کے لیے یہ الفاظ شعوری طور پر استعمال کیے ہیں،ہو سکتا ہے شعوری طور پر بھی کیے ہوں لیکن لاشعوری طور پر بھی کیے ہوں تو اس سے میرے مذکور بیان کو تقویت ملتی ہے۔

درج کیے گئے صرف ان دو اقتباسات کو بھی دیکھا جائے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

1۔شاہد صدیقی کے اُسلوب میں وارفتگی اور بہاؤ ہے۔جملوں کی بناوٹ سادہ، سیدھی سادی، تعقید سے پاک اور مختصر ہے۔اس میں کہیں غرابت لفظی، ثقالت، موجود نہیں ہے۔ادبی چاشنی پورے طور پر جلوہ گر ہے۔

2۔منظر نگاری خوب ہے جو قاری کو اُن کے ماحول میں پوری طرح رنگ دیتی ہے۔

3۔جذبات کے اظہار کے لیے مناسب الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے جن کو بغور پڑھنے سے جذبات کی تفریق بھی با آسانی شناخت کی جاسکتی ہے۔

4۔وہ اپنے جذبات کی عکاسی کے لیے اشعار، اقوال حتی کہ ٹی وی فلم تک سے بھی مثالیں لاتے ہیں جس سے ان کی تحریر میں مزید شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے جو اسے انشائیے سے بہت قریب کر دیتی ہے۔

ویسے بات سے بات نکالنا اور اپنی بیان کی تقویت کے لیے دلائل لانا مضمون اور مقالے کی خوبی سمجھی جاتی ہے۔شاہد صدیقی کے کالموں میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے۔طویل اقتباس سے گریز بھی زنجیرِ قلم ہے۔"دریائے سندھ، ہنڈ اور تاریخ کا سفر" سے درج ذیل اقتباس دیکھیے۔اس میں ہنڈ کی سیر کا ذکر کرتے ہوئے انشائی انداز میں سندھ اور ہنڈ کی تاریخ کی اچھی خاصی سیر کرا دی ہے۔چنگیز خان کے خون آشام لشکر، جلال الدین خوارزم، ٹیکسلا کے راجہ امبھی، محمود غزنوی مغل بادشاہ بابر، یوسف زئی قبائل کرتے ہوئے شہنشاہ اکبر کے قلعہ ہنڈ تعمیر کرانے اور سید احمد شہید کے قلعہ ہنڈ میں قیام کے تذکرے کے بعد تحریر کو ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں:

> "اب ہنڈ کے غروب ہوتے تاریخی سورج کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔اس شفق کی سرخی دریائے سندھ کے پانیوں میں نظر آرہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ دریائے سندھ کے ان پانیوں میں کتنے ہی گم نام لوگوں کا خون شامل ہو گا۔وہ عالم لوگ جو اپنے بیوی بچوں کو اپنے

Vol.5No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

> گھروں میں انتظار کی چوکھٹ پر بٹھا کر بہت دور اجنبی راستوں پر چلے آئے تھے۔ وہ جو پھر کبھی اپنے گھروں کو واپس نہ جا سکے اور وہ جن کا لہو اپنے آقاؤں کے خوابوں میں تو رنگ بھر گیا تھا لیکن جن کے اپنے آنگن کے خواب ادھورے رہ گئے تھے۔(8)

اس کالم کو پڑھتے ہوئے کہیں بھی محسوس نہیں ہوتا کہ آپ تاریخ جیسی کوئی چیز پڑھ رہے ہیں بس سیر کرتے کرتے آپ کی معلومات میں خود بہ خود اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم نہیں ہو پاتا کہ کالم نگار تاریخی حقائق کے سہارے آپ کو کچھ سمجھانا چاہ رہا ہے مگر اس کے باوجود ایک شدید تاثر آپ کے ذہن پر قائم ہو جاتا ہے۔ یہ تاثر بھی گویا افسانے کے وحدت تاثر کی طرح ہی کا ہے۔

شاہد صدیقی کے بیشتر کالم انشائیے کی طرز پر کما حقہ پورے اترتے ہیں۔ انشائیے کی جو تعریفیں کی گئی ہیں اور ان پر جو معروضات اور توضیحات موجود ہیں اُن میں سے بیش تر راقم الحروف کی نظروں سے گزری ہیں۔ اس مختصر مقالے میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ان پر سیر حاصل گفتگو کی جا سکے تاہم یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اُن کے بیشتر کالم انشائی رنگ لیے ہوئے ہیں۔ ہلکے پھلکے انداز میں بڑی بڑی باتیں کہہ جانا اور ذہن کو تھکا دینے والے تاریخی حقائق اور فلسفیانہ خیالات کو تخیلاتی عمل سے گزار کے تخلیق بنا دینا شاہد صدیقی ہی کا خاصا ہے۔

درج ذیل اقتباسات دیکھیے جو کھیوڑہ میں نمک کی کان سے متعلق ہے۔ اس میں کس طرح بات سے بات پیدا کر کے ہلکے پھلکے انداز میں کتنا کچھ کہہ گئے ہیں:

> "پھر اسکول میں تاریخ کی کتاب میں نمک کا ذکر ایک نئے انداز میں پڑھا۔ یہ فرنگیوں کے دور میں گاندھی کی نمک ستیہ گری تھی۔ ستیہ گری کا مطلب ہمارے استاد نے سچ کی تلاش بتایا تھا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ حکومتِ برطانیہ نے نمک پر مکمل اجارہ داری حاصل کرنے کے لیے علاقائی سطح پر ٹیکس لگا دیا تھا۔۔۔ الخ"(9)

> یہ ہائی اسکول میں ہمارے تاریخ کے استاد مظفر عالم صاحب کی کلاس تھی۔ وہ تاریخ کو کہانی کے انداز میں سناتے تھے۔ ان میں سے کچھ کہانیاں اب بھی میرے ساتھ چل رہی ہیں۔ مثلاً نمک ستیہ گرہ پڑھاتے ہوئے اچانک اُنھوں نے کتاب بند کی اور کہنے لگے یہ نمک کا قصہ بھی بہت دلچسپ ہے۔ ان کے کتاب بند کرنے سے ہم جان گئے کہ ہمیں کوئی کہانی سنانے جا رہے ہیں۔۔۔۔ کہنے لگے بہت پرانا قصہ ہے 326 قبلِ مسیح کا جب اسکندرِ اعظم دنیا کو فتح کرنے نکلا تھا۔۔۔ الخ(10)

جیسا کہ ذکر ہوا کہ ان کے اکثر کالموں میں افسانے کا سا وحدت تاثر پایا جاتا ہے اور ذہن پر کوئی ایک شخصیت، کردار، جذبہ ثبت ہو کر رہ جاتا ہے اور ایسا زیادہ تر اُن کالموں میں ہے جو کسی شخصیت یا کیفیت کے بیان میں ہیں۔ مثال کے طور پر "زیر آسمان" میں شامل "سکینہ" ہی کو دیکھ لیجیے۔ اس کالم کی اٹھان ہی بالکل افسانوی ہے۔ ویسے تو شاہد صدیقی کے بیشتر کالموں کی ابتدا میں اُن کے تخلیقی ذوق نے افسانے کا سا مزا پیدا کر دیا ہے مگر بعض اوقات جب وہ فلیش بیک کی تکنیک کا استعمال کرتے ہیں تو ان کے اندر کا کہانی کار پورے طور پر جلوہ گر ہو جاتا ہے:

> "وہ سرما کا ٹھٹھرتا ہوا دن تھا جب مجھے اطلاع ملی کہ سکینہ اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ مجھے یوں لگا کہ اچانک ایک پورے عہد سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ نام تو اس کا سکینہ تھا لیکن گاؤں میں سب لوگ اسے کینو کے نام سے پکارتے تھے۔ بڑی بڑی خوبصورت سیاہ آنکھیں جو سرمے سے اور بڑی لگتیں، سیاہ گھنے بال، ناک میں کوکا اور پاؤں میں کھسہ۔۔۔۔ الخ"(11)

اس قسم کی تحریروں کو صحافت کی اصطلاح میں کالم قرار دیا جانا میرے خیال میں صریح زیادتی ہے۔ اُنھیں افسانہ ہی کہنا مناسب ہو گا۔

شاہد صدیقی کے ہاں موضوعات کی بوقلمونی ہے اُنھوں نے کثیر مطالعے اور مشاہدے کی بدولت رنگ برنگے مناظر ہمارے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ لیکن وہ چوں کہ ایک معلم اور محقق بھی ہیں اس لیے اُن کے بعض کالموں میں دستاویزی تحقیق کے تجزیوں کی سی شان بھی موجود ہے۔ اس کے لیے "موسمِ خوش رنگ" کے

Vol.5No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تیسرے حصے، "سیاست، مزاحمت اور آزادی" میں شامل تحریروں کو بطور خاص دیکھا جاسکتا ہے۔ "اقبال، ذہنی غلامی اور ردِ استعمار" سے ایک اقتباس دیکھتے چلیے تاکہ اس رنگ کی وضاحت بھی ہو سکے:

> "ایسے میں اقبال کی شاعری نے ردِ استعمار(Process of Decolonization) میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ردِ استعمار کے عمل سے پہلے ہمیں استعمار کے عمل(Colonization) کو جاننا ہو گا جس میں مفتوح قوم کے افراد کے ذہنوں کو مسخر کر لیا جاتا ہے۔ اس سارے عمل میں اُنھیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اُن کی تہذیب، اُن کی زبان، اُن کا ادب، اُن کا لباس، اُن کی طرزِ تعمیر، اُن کی خوراک، اُن کا ماضی اور اُن کی شناخت کم تر و فرومایہ ہیں۔ اس سارے عمل میں یہ بات اہم ہے کہ مفتوح قوم اس مصنوعی اور کم تر شناخت کو برضا ورغبت قبول کر لیتی ہے جو فاتح قوم نے ثقافت کے اسلحہ خانے میں تشکیل دی ہوتی ہے اور یہ بالا دستی (Hegemony) کنٹرول کی آخری حد ہوتی ہے جس میں مفتوح قوم اپنی منشا سے غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیتی ہے۔ اس رضاکارانہ تسخیر کو گرامچی Spontaneous consent کا نام دیتا ہے۔"(12)

صحافت میں کالموں کی ایک قسم کو فکاہیہ کالم کہا جاتا ہے۔ ایسے کالموں میں ہلکے پھلکے مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں کسی نکتہ کو بیان کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی کالموں کو صحافت کی زبان میں ادب یا ادب کے قریب قرار دیا جاتا ہے۔ ابن انشا، عطاالحق قاسمی وغیرہ ایسے کالموں میں خاصی شہرت پا چکے ہیں اور ایسے کالم پڑھے بھی شوق سے جاتے ہیں۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ شاہد صدیقی کے ہاں کہیں بھی فکاہیہ انداز نظر نہیں آتا۔ اس کی غالب وجہ تو یقیناً یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی شخصیت کا دھیما پن اس کا متحمل نہ ہو سکتا ہو ورنہ ان کے ہاں ایسی تحریریں بھی موجود ہیں جن کو پڑھ کے بے ساختہ واہ بھی نکلتی ہے اور آہ بھی، کہیں آنکھ میں بے ساختہ ایک آدھ آنسو آجاتا ہے اور کہیں ایک نامعلوم مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ کبھی شدید تاسف ثبت ہو کر رہ جاتا ہے اور کبھی کسی منظر کا سرور بہت دیر تک اپنے سحر میں لیے رہتا ہے مگر وہ طنز اور پھبتی سے بہت دور نظر آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ طنز و مزاح کے ذریعے خوش کرنے کے اصول سے گریز کرتے ہیں۔ تاہم ان کی تحریروں میں مسرت کے اور بہت سامان بہم ہیں۔ شاید اسی لیے اُنھوں نے اپنی دوسری کتاب کو موسمِ خوش رنگ کا عنوان دیا ہے۔

اب تک کی معروضات سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ اس کے مطابق شاہد صدیقی کے دنیا نیوز میں شائع ہونے والے کالموں کو روایتی طور پر کالم نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ ان کالموں میں وہ اوصاف موجود نہیں ہیں جو عام طور پر اخبارات میں شائع ہونے والے کالموں میں موجود ہوتے ہیں۔ اُن کے بیشتر کالموں کو انشائیے کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔ کچھ مضامین کے تحت آتے ہیں اور کچھ میں افسانوی رنگ موجود ہے۔ اگر ان کی ایسی تحریروں کو کالم کہا جائے گا تو ہمیں کالم کے لیے ایک نئی تعریف وضع کرنی پڑے گی اور ادب کی کتب میں اس اصطلاح کی وضاحت بھی خاطر خواہ کرنی ہو گی۔ شاہد صدیقی کی تحریروں کے موضوعات اور اُسلوب بیاں اُن کی شُستہ و شائستہ شخصیت کا پرتو ہیں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی بیتی کہانیوں کو کالموں کے روپ میں پیش کر کے کالم نگاری کی گویا ایک نئی طرز کی بنا رکھی ہے۔

Vol.5No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

حوالے

1۔ صدیقی، شاہد، "زیرِ آسمان"، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2020ء، ص:7

2۔ آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری (Oxford English Urdu Dictionary)، مرتب و مترجم، شان الحق حقی، کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2005 مئی

3۔ نور اللغات، جلد سوم، مولفہ، مولوی نور الحسن کاکوری، کراچی: جنرل پبلشنگ ہاؤس، نومبر، 1959ء

4۔ ڈوگر، محمد اسلم، "فیچر کالم اور تبصرہ"، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1998 مئی، ص:12-13

5۔ ملک، فتح محمد، "دیباچہ"، "زیرِ آسمان"، ص:10

6۔ "زیرِ آسمان"، کالم، "آج بے طرح تیری یاد آئی"، ص:15

7۔ ایضاً، "آج تم بے حساب یاد آئے"، ص:26

8۔ صدیقی، شاہد، "موسمِ خوش رنگ"، کالم، "دریاے سندھ، ہنڈ اور تاریخ کا سفر"، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2021ئ، ص:46

9۔ ایضاً، کالم، "گلابی نمک اور وقت کا دریا"، ص:39

10۔ ایضاً، ص:40

11۔ "زیرِ آسمان" کالم، "سکینہ، ص:16

12۔ موسمِ خوش رنگ، کالم، "اقبال، ذہنی غلامی اور ردِ استعمار، ص:88-89